جماعتی زندگی اور اجتماع

خرّم مراد

اجتماع ایک جماعت کے وجود کے لئے ناگزیر ہے ۔ اجتماع کے بغیر کوئی جماعت نہ بن سکتی ہے، نہ قائم رہ سکتی ہے، نہ چل سکتی ہے ۔ دستور اور قواعد و ضوابط کے بغیر بھی جماعتیں پائی جاتی ہیں، باقاعدہ ممبرشپ اور عہدیداروں کے بغیر بھی جماعتیں چلتی ہیں، دفتروں اور فائلوں کے بغیر بھی جماعتوں کا کام ہوتا رہتا ہے، جماعتوں کے لیے متعیّن مقاصد اور طریقِ کار بھی ضروری نہیں، لیکن اجتماع کے بغیر کسی جماعت کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا ۔

ایک جماعت کی زندگی، قوّت اور کارکردگی کا انحصار بھی بڑی حد تک اجتماعات پر ہوتا ہے ۔ اجتماعات جان دار ہوں تو جماعت میں زندگی کی رَو دوڑتی رہتی ہے، اور افراد جذبوں اور عزائم سے سرشار رہتے ہیں ۔ اجتماعات مؤثر ہوں تو جماعت کو قوّت حاصل ہوتی رہتی ہے ۔ اجتماعات نتیجہ خیز ہوں تو جماعت اعلیٰ کارکردگی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف پیش رفت کرتی رہتی ہے، یا بحسن و خوبی اپنے فرائض انجام دیتی رہتی ہے ۔ اجتماعات جاندار، مؤثر اور نتیجہ خیز ہوں تو وہ ایک جماعت کا دل بن جاتے ہیں جو اس کے سارے جسم میں خون پمپ کرتا ہے، ریڑھ کی ہڈی بن جاتے ہیں، جس کے بل پر اس کا وجود قائم رہتا ہے، دماغ بن جاتے ہیں جو اس کو سوچ اور فکر دیتے ہیں، اور ہاتھ پاؤں بن جاتے ہیں جن کے ذریعہ جماعت چلتی ہے اور آگے بڑھتی ہے ۔

اجتماع ایک جماعت کے لیے اتنا ناگزیر کیوں ہے کہ اس کے بغیر اس کا وجود ہی ممکن نہیں، اور جماعتی زندگی میں اس کی اتنی عظیم الشان اہمیت کس لیے ہے؟ یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ۔

جماعت اس وقت بنتی ہے جب افراد مل کر اور مجتمع ہو کر کوئی کام کرنا چاہتے ہیں، کوئی مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں یا کسی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں ۔ اجتماع ہی افراد کے مل جانے اور مجتمع ہونے کی علامت ہے، اجتماع ہی اُن کو جوڑے رکھنے کا ذریعہ ہے، اجتماع ہی مقصد کے حصول کا راستہ ہموار کرتا ہے ۔ ایسے افراد کا تصوّر کیجئے کہ جو مل کر کوئی کام کرنا چاہتے ہوں، لیکن مل کر بیٹھتے نہ ہوں، سوچتے نہ ہوں، ایک دوسرے سے مربوط نہ ہوتے ہوں ۔ یہ افراد کبھی بھی جماعت کی شکل اختیار نہیں کر سکتے ۔

افراد وہ کام کرنے کے لیے جماعت بناتے ہیں جو وہ الگ الگ نہیں کر سکتے ، ورنہ جماعت بننے کے لیے اور کوئی جواز نہیں ۔ اور جماعت بن کر وہ کام کر لینا اس لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ جماعت کی قوّت افراد کی مجموعی قوّت سے کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے ۔ جماعت اتنی بڑی قوّت اسی صورت میں بن سکتی ہے جب افراد ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مربوط ہوں، جس طرح ایک دیوار کی اینٹیں مربوط ہوتی ہیں ۔ اُن کی سوچ مجتمع ہو، اُن کی قوّتِ کار مجتمع ہو، اُن میں ہم آہنگی اور تقسیمِ کار ہو، وہ ایک دوسرے کی قوّت میں اضافہ کریں اور اُن کی کمزوریوں کا ازالہ ۔ یہ سارے کام اسی صورت میں ممکن ہیں جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھیں، بات چیت کریں، سر جوڑ کے سوچیں، اپنا جائزہ لیں، باہم پشت پناہ بنیں ۔ اسی لئے جاندار، مؤثر اور نتیجہ خیز اجتماع ایک جماعت کے استحکام، قوّت، کارکردگی اور پیش رفت کے لئے ناگزیر ہے ۔

پھر ہر فرد دوسرے فرد سے مختلف بھی ہوتا ہے ۔ افراد مختلف النّوع مزاج، عادات، افتادِ طبع، صلاحیتوں اور تعلیم و تربیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جماعت کی قوّت کے لیے یہ ضروی ہے کہ، سارے اختلافات کے باوجود، وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ بھی ہوں، اور مشترک کام اور مقصد کے حصول کے لئے موزوں اور سازگار بھی بنیں ۔ یہ ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان سارے مختلف افراد کو بار بار جمع کر کے مشترک مقصد کے تقاضوں کے مطابق نہ ڈھالا جائے ، گویا اجتماع جماعت کے اجزاء کو جماعت کے مقصد کے حصول کے لئے تیار کرتا ہے ۔

اجتماع کی اِس اہمیت کی وجہ سے ہی، نہ صرف دنیا میں ہر قسم کی جماعتی زندگی میں، بلکہ تمام مذاہب اور شریعتوں میں اسے مرکزی مقام دیا گیا ہے ۔ تمام مذاہب اور شریعتوں میں مراسمِ عبودیت و معاشرت کے لئے روزانہ، ہفتہ وار، سالانہ، اور خصوصی مواقع پر اجتماعات کو لازم کیا گیا ہے، ان میں حاضری کی تاکید کی گئی ہے، اور ان کا حق ادا نہ کرنے پر سزا کی وعید سنائی گئی ہے، اور سزا دی بھی گئی ہے ۔

اس کی ایک مثال یہودیوں کا یومِ سبت (ہفتہ کا دن) ہے ۔ اِس دن کو اُن کے لئے مقدّس و محترم ٹھہرایا گیا، اُن سے اِس کا تقدّس و احترام برقرار رکھنے کا عہد لیا گیا، اُن کو اِس دن عام دنیاوی کاروبار ترک کر کے اپنے وقت کو اپنے رب کے لیے فارغ کر لینے کا پابند بنایا گیا، اور نماز و عبادات کے لئے ایک مقام پر جمع ہونا لازم کیا گیا ۔ پھر جب انہوں نے یومِ سبت کے بارہ میں اپنے عہد سے انحراف کیا، سستی اور بہانہ جوئی کا شکار ہو گئے، حیلوں کا راستہ اختیار کیا، ظاہری جزئیات کی پابندیوں کے باوجود اس کی روح کو ضائع کر دیا، تو یومِ سبت کے معاملہ میں حد سے تجاوز کرنے کی پاداش میں اُن پر لعنت کی گئی، ان کے دل سخت کر دیئے گئے، اور اُن کو مسخ کر کے بندر اور سؤر بنا دیا گیا (النساء ۴: ۴۷، ۱۵۴ الاعراف ۷: ۱۶۶-۱۶۳) ۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک پورے دن کو اپنے رب کے لئے فارغ کر لینے، اُس دن عام کاروبارِ زندگی پر پابندیاں عائد کرنے، اور اس دن عبادت الٰہی کے لیے جمع ہونے کا معاملہ میزانِ الٰہی میں کتنا اہم، نازک اور سنگین ہو سکتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب نازل کی، اپنے آخری رسولؐ کو بھیجا، دینِ اسلام کو کامل کیا اور اپنی نعمت تمام کی، اُمّتِ مسلمہ تشکیل دی کہ وہ ہدایتِ الٰہی کی امین بنے، تو اس نے جس دین کو امت کے لئے پسند فرمایا، اس میں پورے اہتمام و تاکید سے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہنے، اُس کی پکار پر جمع ہونے، اس کی پرستش کرنے، اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے کے لیے اجتماعات کا ایک پورا نظام بنا کر سپرد کیا ۔ خاص طور پر مراسمِ عبودیت کی ادائیگی کے ضمن میں، روزانہ پانچ وقت کی نماز کے لیے، ہر ہفتہ نمازِ جمعہ کے لیے، سال میں دو دفعہ عیدین کے لیے اور عمر میں ایک دفعہ حج کے لیے، اجتماعات کو لازم کیا ۔ اس کے علاوہ بھی اجتماعی کاموں کے لیے مجالس اور اجتماعات کے حقوق و آداب کی تعلیم قرآنِ مجید نے بھی بڑے اہتمام سے دی، اور نبی کریمؐ نے بھی ان کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا ۔

اِن اجتماعات کا اصل مقصد تو وفائے عہدِ ایمان ہے جو مقصدِ تخلیق ہے، یادِ الٰہی ہے جو ایمان کی زندگی کی ضامن ہے ، حبِّ الٰہی ہے جو ایمان کا تقاضا ہے، قربِ الٰہی ہے جو ایمان کا حاصل ہے، لیکن ان اجتماعات سے وہ سارے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جو جماعتی زندگی کے استحکام اور قوت کے لیے ضروری ہیں ۔ پکار کو سننا اور اُس پر لبیک کہنا، اشارے پر اُٹھ کھڑا ہونا اور دوڑ پڑنا، ہر دوسرے کام کو چھوڑ دینا خواہ اس میں کتنا ہی نفع اور کتنی ہی لذّت ہو، سب کچھ چھوڑ کر حاضر ہو جانا، بار بار حاضر ہونا، علم و آگاہی حاصل کرنا، ربط اور محبّت و اخوّت کی راہ چلنا، ناپسندیدہ باتوں سے رکنا، اجتماعی کام ذمہ داری سے ادا کرنا ———— یہ وہ چند فوائد ہیں جو ان اجتماعات سے

حاصل ہوتے ہیں، اور ہوتے رہے ہیں ۔

حضورؐ نے دعوتِ عام کا کام شروع کیا، تو جلد ہی دارِ اَرقم کا مرکز قائم ہوگیا اور یہاں جمع ہونے کا سلسلہ شروع ہوگیا ۔ اس مرکز میں ایمان لانے والے دن میں بھی آتے اور راتیں بھی گزارتے ۔ جب لوگ کم ہوں اور مخالفتیں شدید، ایمان تازہ ہو اور جذبے جوان، تو اجتماعات کے لئے نہ وقت مقرر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ وقفے متعیّن کرنے کی ۔ لوگ جذبۂ دل سے مجبور ہو کر آتے، اور زیادہ سے زیادہ وقت ساتھ گزارنا چاہتے ۔ عبادت بھی کرتے اور تلاوتِ قرآن بھی، علم بھی حاصل کرتے اور غمگساری بھی کرتے، اور اس طرح بنیانِ مرصُوص بنتے جاتے ۔

جب روزانہ پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوگئیں، تو جیسے ہی ممکن ہوا نمازوں کے لئے جمع ہونے اور نماز اجتماعی طور پر باجماعت ادا کرنے کا نظام قائم کیا گیا، اور جماعت کے لیے اجتماع کو اقامتِ صلوٰۃ کی شرط قرار دیا گیا ۔ مصعب بن عمیرؓ مدینہ گئے تو انصار ان کی امامت میں نماز پڑھنے کے لئے جمع ہونے لگے ۔ حضورؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو قبا میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی، مدینہ کے راستہ پر جمعہ کی پہلی نماز قائم کی، مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے مسجد تعمیر کی، بلانے کے لئے اذان کا طریقہ مقرر کیا، اور اِس طرح مسجدِ نبویؐ میں روزانہ پانچ وقت نماز کے لیے اجتماعات کا نظام قائم ہوگیا ۔

روزانہ پانچ وقت اجتماعِ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہونے کی تاکید بھی ہوئی، ترغیب بھی دی اور تبشیر و انذار بھی کیا ۔ جماعت کی نماز کو تنہا نماز سے ستائیس درجے افضل قرار دیا (بخاری، مسلم) ۔ مسجد کی طرف ہر قدم پر ایک گناہ کے مٹائے جانے اور ایک نیکی کے لکھے جانے کی خوش خبری دی (بخاری، مسلم) مسجد میں نماز کے ساتھ اور بھی بے شمار بشارتیں وابستہ کیں ۔ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنے کو آدھی رات کے قیام اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کو بھی آدھی رات قیام کے مساوی ٹھہرایا (مسلم) اور جنت میں اللہ کی طرف سے میزبانی کا مژدہ سنایا (بخاری، مسلم) مؤذن کی پکار پر لبیک کہنے کے لئے خوف اور بیماری کے علاوہ کسی اور عذر کو قابلِ قبول نہ ٹھہرایا (ابوداؤد) ۔

ان تعلیمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مساجد میں اجتماعِ نماز کے لیے ہر شخص ضرور حاضر ہوتا، مومن ہو یا منافق ۔ فرق صرف اتنا تھا کہ مومن اپنے شوق سے آتے اور لپکتے ہوئے آتے، منافق سستی اور کسلمندی کے ساتھ آتے، گویا کہ مارے باندھے لائے جا رہے ہیں ۔

پھر عام مجالس و اجتماعات کے حقوق و آداب کی تعلیم بھی دی گئی اور ان کی اہمیت کو ہر ممکن طریقہ سے راسخ کیا گیا ۔ مومنین میں سے ایمانِ حقیقی کے حامل وہ لوگ ٹھہرائے گئے جو اجتماعی امور کے لیے جمع ہوں تو اجازت لیے بغیر نہ جائیں ۔ پھر تاکیدِ مزید کی گئی کہ جو اجازت لے کر جاتے ہیں

وہی اللہ اور اُس کے رسولؐ پر سچا ایمان رکھتے ہیں ۔ جو اجازت لیے بغیر کھسک جائیں اُن کو وعید سنائی گئی کہ وہ کسی فتنہ کا شکار ہو سکتے ہیں، یا اُن کو کوئی دردناک عذاب پکڑ سکتا ہے (النور ۲۴: ۶۲۔ ۶۳) ایمان لانے والوں کو حکم دیا گیا کہ جب ان سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو، تو وہ جگہ کشادہ کر دیا کریں ۔ اس عمل کے بدلے ان کو خوش خبری دی گئی کہ "اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا" ۔ اور یہ کہ، "جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو" ۔ پھر خوش خبری دی کہ ایسے اہلِ علم و ایمان کے درجات بلند کیے جائیں گے (المجادلہ ۵۸: ۱۱)

اسلام میں اجتماعات کو جو مقام دیا گیا ہے اس کا ادراک اجتماعِ جمعہ اور اجتماعِ حج سے بخوبی کیا جاسکتا ہے ۔

اجتماعِ جمعہ پر غور کیجیے ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں یہ حکم نازل کیا کہ نمازِ جمعہ کے لیے پکارا جائے تو ہر قسم کی خرید و فروخت بند کر دو، اگر اس وقت خرید و فروخت کرو گے تو گناہ گار ہو گے ۔ ہر کام چھوڑ دو، اہتمام اور شوق سے لپکتے ہوئے نمازِ جمعہ کے لیے حاضر ہو جاؤ ۔ ایک دفعہ آجاؤ تو خواہ نفع سامنے ہو یا دلچسپی کا سامان، کسی صورت چھوڑ کر نہ جاؤ ۔ اس لیے کہ کاروبارِ دنیا ترک کر کے عہدِ ایمان وفا کرنے کے لیے نمازِ جمعہ میں شرکت کا جو اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ دنیا کے ہر نفع اور ہر مزہ سے زیادہ قیمتی اور لذّت بخش ہے ۔

نمازِ جمعہ کی ماہیت پر غور کرنے سے اس کی حقیقت ، بحیثیتِ اجتماع واضح ہو جاتی ہے ۔ ظہر کی نماز چار رکعت ہوتی ہے، مگر جمعہ کی نماز دو رکعت کر دی گئی ۔ حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق، "یہ پوری نماز ہے، قصر نہیں ہے ۔ اور جمعہ کو خطبہ کی خاطر ہی مختصر کیا گیا ہے"۔ گویا یہ امر کہ لوگ جمع ہوں، اور ان کا امام نماز سے قبل ان کے سامنے تقریر کرے، نماز کا بدل ہو گیا ۔ بعض مفسّرین کے نزدیک تو جو قرآن میں کہا گیا ہے کہ "اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو" تو اللہ کے ذکر سے مراد خطبۂ جمعہ ہی ہے کہ وہی نمازِ جمعہ کی اضافی خصوصیت ہے ۔ اس پر سب مفسّرین کا اتفاق ہے کہ خطبہ اس ذکر میں ضرور شامل ہے جس کی طرف سارا کاروبارِ دنیا چھوڑ کر دوڑنے کا حکم دیا گیا ہے ۔

پھر جس سیاق میں جمعہ کے اجتماع کا حکم دیا وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ فرائضِ رسالت یعنی غلبۂ دین، تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفوس، اور تعلیمِ کتاب و حکمت، اور "کونوا انصار اللہ" کی دعوتِ نصرت، اور بنیانِ مرصوص بن کر اللہ کی راہ میں جہاد و قتال ——— ان سب کے لئے اجتماعِ جمعہ ایک کلیدی اور بنیادی اہمیت کا حامل ہے (سورۃ الصّف، الجمعہ، المنٰفقون)

نبی کریمؐ نے اِس اہمیت کی تشریح بڑی تفصیل سے فرمائی ۔ حضورؐ نے فرمایا، "میرا جی

چاہتا ہے کہ کسی اور شخص کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دوں اور جا کر ان لوگوں کے گھر جلا دوں جو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے نہیں آتے" (مسند احمد، بخاری) ... "لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دے گا اور وہ غافل ہو کر رہ جائیں گے"۔ (مسند احمد، مسلم، نسائی) ..." جو شخص اسے (جمعہ کو) ایک معمولی چیز سمجھ کر یا اس کا حق نہ مان کر اسے چھوڑے خدا اس کا حال درست نہ کرے، نہ اسے برکت دے ۔ خوب سن رکھو، اس کی نماز نماز نہیں، اس کی زکوٰۃ زکوٰۃ نہیں، اس کا حج حج نہیں، اس کا روزہ روزہ نہیں، اس کی کوئی نیکی نیکی نہیں، جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے"... (ابنِ ماجہ، بزّاز) (سیّد مودودیؒ ، تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۴۹۶) ۔ وقت پر حاضر ہونے کی تاکید بھی آپؐ نے فرمائی، اور کہا کہ جب امام خطبہ کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے تو حاضری ریکارڈ کرنے والے فرشتے حاضری کا رجسٹر بند کر کے خطبہ سننے میں لگ جاتے ہیں (بخاری، مسلم) ۔ خطبہ کے دوران بات چیت کرنے سے بالکل منع فرما دیا ۔ حضورؐ نے فرمایا، "جب امام خطبہ دے رہا ہو اُس وقت جو شخص بات کرے وہ اُس گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، اور جو شخص اُس سے کہے کہ چپ رہ، اس کا بھی کوئی جمعہ نہیں ہوا" (مسند احمد) ۔

اسی طرح اب اجتماعِ حج کو دیکھیے ۔ اس عظیم عبادت میں ، جو عشق و جاں نثاری، وللّٰہیّت اور شیفتگی، سپردگی اور تسلیم و رضا کی اعلیٰ ترین مظہر ہے، جو کچھ ضروری ہے وہ صرف سفر اور قیام و وقوف ہے ۔ حج کا رکنِ اعظم ۹ ذوالحجہ کو غروبِ آفتاب سے قبل میدانِ عرفات میں پہنچ جانا ہے ۔ یہ پہنچنا خواہ صرف گزرنے کی حد تک ہو، یا چند لمحات کی حد تک، یا پورے دن کے قیام پر محیط ہو۔ یہ پہنچنا اگر قضا ہو جائے تو کسی اور سال ۹ ذوالحجہ کو ہی، میدانِ عرفات میں ہی، حاضر ہونے کے علاوہ اس کی کوئی تلافی نہیں ۔ بعض دوسرے مناسک کے فوت ہونے کی تلافی دَم دینے یا کفارہ ادا کرنے سے ہو سکتی ہے ۔ لیکن وقوفِ عرفات فوت ہو جائے تو نہ دَم ہے اور نہ کوئی صُورتِ تلافی ۔

حج کے لیے آدمی گھر چھوڑتا ہے، رشتہ داروں سے کٹتا ہے، کاروبارِ زندگی ترک کرتا ہے، لمبا سفر طے کرتا ہے ۔ اس کے بعد وہ خانۂ خدا کے چکر کاٹتا ہے، مکہ سے نکل کر منیٰ میں، منیٰ سے نکل کر عرفات میں، عرفات سے آکر مزدلفہ میں، مزدلفہ سے اُٹھ کر پھر منیٰ میں پڑاؤ ڈالتا ہے اور بستی بساتا ہے ۔ بس یہی حج کی کُل عبادت ہے ۔ اس میں نہ زبان سے کچھ پڑھنا لازمی ہے، نہ حرکات و سکنات کو کسی ضابطہ میں باندھنا ضروری ہے ، نہ تقریر ہے نہ خطاب ۔ صرف سفر، بھاگ دوڑ اور اجتماعی قیام و وقوف وہ سب کچھ ہے جو مطلوب ہے ۔ اجرِ عظیم کے سارے وعدے بس اسی سفر

اور قیام سے وابستہ ہیں ۔ اِس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں کہ بندگی اور توحید کا خلاصہ استجابت، انابت، دُعا، اور اطاعت ہے ۔

حج کے اس اجتماع میں حاضری، بشرطِ استطاعت، عمر بھر میں ایک دفعہ لازمی کر دی گئی ہے ۔ جمعہ کے دن اگر ہفتہ وار اجتماعِ صلوٰۃ لازم کیا گیا، تو حج کی صورت میں عمر میں ایک دفعہ امّتِ مسلمہ کے سب سے بڑے سالانہ اجتماع میں شرکت کا پابند کیا گیا ۔

جماعتِ اسلامی کا مقصدِ وجود کیا ہے؟ کارِ رسالت کی امانت کو ادا کرنا اور اقامتِ دین کے لیے جہاد کرنا ۔ یہ اجتماعیت اِسی مقصد کے لیے بنی ۔ اِسی لیے روزِ اوّل سے ہی جماعت کی زندگی میں مختلف النّوع اجتماعات کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دی گئی ۔

ان اجتماعات میں سب سے اہم اور مستقل و مسلسل اجتماع ہر ایک مقام پر ارکان کا ہفتہ وار اجتماع تھا، جو توسیعِ جماعت کے ساتھ ہفتہ وار اجتماعِ کارکنان میں تبدیل ہو گیا ۔ جماعت بنتے ہی سیّد مودودیؒ نے جماعت کے ارکان کو جو ہدایات دیں ان میں جمعہ کے روز ایک جگہ جمع ہونے اور اس اجتماع میں ہفتہ بھر کے کام کا جائزہ لینے ، آئندہ کام کے لیے تجاویز سوچنے، بیت المال کے حسابات دیکھنے، اور نئے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی تاکید کی (روداد حصّۂ اول، ص ۳۶) دو سال بعد جب اکتوبر ۱۹۴۳ء میں دربھنگہ (بہار) میں پہلا بڑا اجتماعِ عام ہوا، تو اس موقع پر سیّد مودودیؒ نے پھر ہفتہ وار اجتماع کی تاکید کرتے ہوئے کہا، "یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ہفتہ وار اجتماع کوئی معمولی چیز نہیں ہے"۔ مزید یہ کہ "اس سے تغافل برتنے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ جماعت یخ بستہ ہو جائے گی، ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا کہ ہم میں سے کون لوگ تحریک سے واقعی دلچسپی رکھتے ہیں اور کون نہیں رکھتے"۔ اور یہ طے کر دیا کہ "جو لوگ بلاعذرِ معقول جمعہ کے اجتماع میں نہ آئیں اُن کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ جماعت سے دلچسپی نہیں رکھتے" (روداد حصّۂ اوّل، ص ۱۶-۱۱۵)۔ ایک سال بعد، ۱۹۴۴ء میں دارالاسلام میں شمالی ہند کے اجتماعِ ارکان سے خطاب کرتے ہوئے امیرِ جماعت نے ہفتہ وار اجتماع کی طرف ان کو توجّہ دلائی، "مختلف مقامات پر جماعتی نظم کے مر جانے کی وجہ یہی تھی کہ افراد کو مجتمع رکھنے اور جماعت کے ساتھ ان کی عملی دلچسپی کو زندہ رکھنے والے اس رشتہ کی اہمیت کو نظرانداز کر دیا گیا" (روداد حصّۂ دوم، ص ۸۱)۔

ہفتہ وار اجتماع کی طرح، جماعت نے روزِ اوّل سے یہ بھی طے کیا تھا کہ ساری "جماعت کے ارکان کا اجتماعِ عام ہر سال کیا جائے" (روداد حصّۂ اوّل، ص ۵۳) دوسری جنگِ عظیم کے پیدا کردہ حالات کی وجہ سے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانا تو ممکن نہ ہوا، لیکن اس اجتماعِ عام کے عدمِ انعقاد پر

اپنے اضطراب کا اظہار امیرِ جماعت برابر کرتے رہے ۔ بالآخر اپریل ۱۹۴۵ء میں کل ہندوستان کے ارکانِ جماعتِ اسلامی کا اجتماع دارالاسلام میں منعقد ہوسکا ۔ قیامِ پاکستان کے بعد اجتماعِ عام میں کارکنان و متفقین اور وابستگانِ جماعت کی شرکت کا تناسب بڑھتا گیا ۔ پھر اگرچہ دستوری لحاظ سے ارکان کے اجتماعاتِ عام ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۳ء میں ہوئے، لیکن معروف لحاظ سے آخری اجتماعِ عام ۱۹۶۳ء میں لاہور میں منعقد ہوا ۔

جماعت کو مستحکم و قوی بنانے میں جو حصہ ہفتہ وار اجتماعِ کارکنان نے ادا کیا ہے وہ کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ اسی طرح اجتماعاتِ عام نے جس طرح تحریک کے لئے اساسی سرمایۂ افراد جمع کیا، اُن کو تحریک میں جذب کیا، اُن کی تربیت کی، وہ بھی آشکار و ہویدا ہے ۔ لوگ اپنا سب کچھ چھوڑ کر ان اجتماعات میں شریک ہوئے، اور یہاں سے وہ سب کچھ لے کر گئے جس نے اُن کو آخری سانس تک، ربع اور نصف صدی پر محیط مدت تک، تحریک کے لیے وفادار اور متحرک رکھا۔ السابقون الاوّلون میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو چھوٹتے ہی دارالاسلام اور الہ آباد کے اجتماعات کا ذکر کرتے ہیں ۔ ان اجتماعات کے کیف اور لذت کو وہ آج تک بھلا نہیں سکے ہیں ۔

جماعت کی زندگی میں اجتماع کی اہمیت اور مقام کے بارہ میں سیّد مودودیؒ کے اِن الفاظ سے زیادہ بہتر الفاظ میں بات نہیں کہی جاسکتی ۔

... یہاں اجتماع کے لیے دعوتِ عام دی گئی تھی اور اعلان کیا گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ ارکان شریک ہونے کی کوشش کریں، مگر بہت سے ارکان کسی عذرِ معقول کے بغیر نہیں آئے، بلکہ بہت سوں نے عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی ۔ لوگوں کے لیے اُن کے معمولی کام، اُن کے روزمرہ کے مشاغل، اُن کے خانگی امور، اُن کے دنیوی مفاد اس سے بڑھ کر اہمیت رکھتے ہیں کہ وہ جماعت کی پکار پر لبیک کہیں اور اِسی بنا پر وہ غیر اولی الضرر ہونے کے باوجود بیٹھے رہ گئے ۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے بہت سے رُفقا کو اس کام سے حقیقی دلچسپی و دلبستگی نہیں ہے ۔ اگر فی الواقع وہ جانتے کہ یہ اجتماع کیا معنی رکھتا ہے اور جماعت کی پکار سے اُن پر کیا لازم آتا ہے اور جو عہد انہوں نے اپنے رب سے کیا ہے اس سے کیا ذمہ داریاں اُن پر عائد ہوتی ہیں تو وہ اپنے بڑے سے بڑے دنیوی فائدے اور سخت سے سخت مشغولیت کو بھی یہاں کی حاضری پر ہرگز ترجیح نہ دیتے ... نظامِ جماعت سے منسلک ہوجانے کے بعد آدمی کے لئے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ جماعت کی پکار سن کر دوڑ پڑے اور سارے کام چھوڑ دے ... جب تک ارکانِ جماعت میں یہ کیفیت پیدا نہ ہوگی، نظامِ جماعت بالکل بے جان رہے گا ۔ کسی شخص کا یہ خیال کرکے بیٹھے رہنا کہ اس وقت کوئی خاص

کام نہیں ہے، اجتماع کی کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہے، اگر اس وقت مَیں شریک نہ ہوا تو کوئی نقصان نہ ہوگا، درحقیقت ایک غلط خیال ہے ۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر یہاں سرے سے کوئی کام نہ ہوتا بلکہ آپ کو صرف جمع ہو جانے کے لئے پکارا جاتا تب بھی آپ کو ایک آواز پر جمع ہو جانا چاہیے تھا (روداد حصّۂ دوم، صفحہ ۱۳ ۔ ۱۴)۔

ہم اپنے ربِّ ذوالجلال والاکرام کا جتنا بھی شکر کریں وہ کم ہے کہ اُس نے ۲۶ سال کے بعد جماعتِ اسلامی کو اِس بات کی توفیق دی اور اِس کا موقع عنایت فرمایا کہ اِس نے پاکستان بھر سے اقامتِ دین کے لیے جدّوجہد کرنے والوں کو جمع ہو جانے کے لیے پکارا۔ بے شمار لوگوں نے اس پکار کی اہمیت کو سمجھا، انہوں نے اپنے بہت سے دنیوی فائدوں اور مشغولیتوں پر اس اجتماع کی حاضری کو ترجیح دی ۔ وہ بہت دور دور سے چل کر آئے، ملک کے ہر حصّہ سے آئے، سفر کی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کیں، اور اپنے سفر کے اخراجات کا بار بھی اٹھایا۔ وہ کراچی، گوادر اور تربت سے بھی آئے، اور چترال و مالاکنڈ کی پہاڑیوں سے بھی۔ شہروں سے بھی آئے، دیہاتوں سے بھی۔ مرد بھی آئے، عورتیں بھی آئیں ۔ بوڑھے بھی آئے، جوان بھی آئے، بچّے بھی آئے ۔ سندھی اور پنجابی بھی آئے، بلوچ اور پختون بھی آئے، سرائیکی اور بروہی بھی آئے، مہاجر اور قبائلی بھی آئے۔ کالے بھی آئے، گورے بھی آئے۔ امیر بھی آئے، غریب بھی آئے۔ سرمایہ دار بھی آئے، مزدور بھی آئے۔ زمین دار بھی آئے، کسان بھی آئے۔ پڑھے لکھے بھی آئے، ان پڑھ بھی آئے۔اس قوم کا کون سا حصّہ تھا جو اس اجتماع میں موجود نہ تھا، پھر بڑی تعداد میں آئے ۔ ۱۹۶۳ء کے اجتماعِ عام کے مقابلہ میں آنے والوں کی تعداد دس گنا سے کچھ زیادہ ہی ہوگی ۔ یہ سب کچھ یقیناً صرف اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل و رحمت سے ممکن ہوا ۔ وہ فضل و رحمت جس نے امیرِ جماعت کے عزم و حوصلے اور ساری جماعت کے کارکنوں کے جذبوں اور دن رات کی محنتوں کو، ان کی ساری خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود، قبولیت سے نوازنے کا فیصلہ کیا ۔

اِس اجتماعِ عام میں کیا ہوا؟ اس کو بیان کرنا ممکن ہے اور پیشِ خدمت ہے ۔ اِس اجتماع سے کیا حاصل ہوا؟ اِس کا جواب نہ ممکن ہے، نہ ضروری ۔ ممکن اِس لیے نہیں کہ دنیا میں ایسی کوئی میزان نہیں جس میں ایسے اجتماع کے منافع اور فوائد کو تولا جا سکے ۔ ضروری اس لیے نہیں کہ جو شخص بھی جماعتی زندگی کے لیے اجتماع کی اہمیت سے واقف ہو، جو دین میں اجتماع کے مقام سے آگاہ ہو، جو یہ جان چکا ہو کہ اگر اجتماع میں سرے سے کوئی کام نہ ہو، بلکہ لوگ صرف جمع ہونے کی پکار پر جمع ہو جائیں تو بھی وہ انتہائی کامیاب اجتماع ہے، اسے اجتماع کے فوائد پر کسی لیکچر کی حاجت

نہیں ۔

اس کے باوجود کچھ دلوں میں اس اجتماع کے بارہ میں کچھ سوالات اُٹھے ہیں۔ بعض لوگوں کی نگاہ اِس کے اخراجات پر گئی ، انہوں نے اپنے اپنے پیمانہ سے ان اخراجات کا اندازہ لگایا۔ کسی نے اس میں وہ سارا خرچ شامل کیا جو شریک ہونے والوں نے اس اجتماع کے لیے سفر کی غرض سے کیا، اور وہ بھی جو مختلف ذیلی جماعتوں نے اس اجتماع کی تیاری کے لیے کیا۔ بات کروڑوں تک پہنچ گئی۔ اگر وہ اس میں اُس وقت کی قیمت بھی شامل کرتے جو کارکنوں نے تیاری اور شرکت میں لگایا، تو رقم اور اونچی چلی جاتی۔ لیکن اگر تیاریوں اور سفر و طعام کے اخراجات کو الگ کر دیا جائے، تو کل اخراجات ۵۰ لاکھ سے کچھ ہی زیادہ ہوئے۔ کیا یہ اخراجات ماضی کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں؟ ۱۹۶۳ء کے مقابلہ میں آج قیمتیں کم سے کم دس گنا زیادہ ہیں، حاضری بھی تقریباً دس گنا تھی۔ اس فارمولے سے حساب لگائیں تو آج کے پچاس لاکھ اُس وقت کے پچاس ہزار کے مساوی اخراجات سے زیادہ ہرگز نہیں۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ سوچنے کا یہ انداز اور ناپنے کا یہ پیمانہ ہی صحیح نہیں ہے۔ اسراف سے بے شک بچنا چاہیے، ایک ایک پیسہ امانت سمجھ کر خرچ کرنا چاہیے، لیکن جو اجتماعی کام حصولِ مقصد کے لئے ضروری ہے وہ تو کرنا ہی ہو گا، اور اس پر جتنے اخراجات ہوں، حسبِ استطاعت، ان کو بھی برداشت کرنا ہو گا۔ اگر ہر چیز میزان میں روپیوں پیسوں سے تلنے لگے تو کوئی چیز بھی اِفادیت پرستی کے آگے نہیں ٹک سکتی۔ لگانے والوں نے عیدالاضحیٰ پر قربانیوں کے اخراجات کا حساب لگایا، پانچ وقت کی نمازوں میں صرف ہونے والے وقت کی قیمت کا شمار کیا، رمضان میں بھوک پیاس کی وجہ سے ضائع ہونے والی پیداوار کا اندازہ لگایا، اور یہ فتویٰ لگا دیا کہ اِس میں سے ہر چیز کے فوائد اخراجات سے بہت کم ہیں۔ حج کے اخراجات کا اندازہ لگایا جائے، اور اس میں ہر حاجی کے اخراجات اور وقت کی قیمت جوڑ دی جائے، تو یہ اخراجات ہزاروں ارب روپیوں تک پہنچیں گے۔ وہ حج جس میں ظاہر بین نگاہوں کو سوائے سفر اور وقوف کے کچھ فائدہ دکھائی نہ دے، اس کا جواز کیسے ثابت ہو گا؟ سوائے تعمیل حکمِ ربّی کے۔

اس اجتماع کو دیکھیے، دنیا کا کون سا سکّہ ہے جو قیمت لگا سکے۔ راہِ خدا میں ان کوششوں کی جن کی سعادت و توفیق لاکھوں بندوں کو اِس اجتماع کی وجہ سے نصیب ہوئی، اس مال کی جو لوگوں نے اس اجتماع کی وجہ سے فی سبیل اللہ خرچ کیا (میزانِ الٰہی میں تو ان کی قیمت کم سے کم ۷۰۰ گنا ہو گی)، ان جذبوں کی اللہ کی راہ میں کام کرنے کے جو اس اجتماع کی وجہ سے بیدار ہوئے، ان ولولوں اور

امنگوں کی جن کو اِس اجتماع نے وجود بخشا، اُن آرزوؤں کی جو دلوں میں زندہ ہوگئیں، اُس شوقِ جستجو کی جس کا فیض اِس اجتماع میں لنڈھایا گیا۔

ویسے اگر دنیاوی فوائد پر بھی نگاہ ڈالی جائے، تو شعبۂ نشر و اشاعت کے اندازے کے مطابق صرف لاہور کے اخبارات و جرائد میں جو پبلسٹی ہوئی وہ اگر پیسے دے کر کی جاتی تو اس پر ۱۸ لاکھ روپے کے اخراجات اُٹھتے۔ اِس میں ملک بھر کے سارے اخبارات و جرائد کی پبلسٹی شامل کر لیجیے، بلکہ بیرونِ ملک کے اخبارات و جرائد کی بھی، تو صرف پبلسٹی کا فائدہ ہی اجتماع کے اخراجات کا دو تین گنا ہو گا۔

آرایش و زیبایش پر خرچ کے بارہ میں بھی سوال پیدا ہوا۔ اسراف یقیناً منع ہے، لیکن ہر آرایش و زیبایش اسراف کی تعریف میں نہیں آتی۔ وہ جو خُود جمیل ہے ، جمال کو پسند کرتا ہے، اور جس نے ہر تخلیق کو جمال بخشا ہے، کیا اسی کے نام پر جمع ہونے والوں کی اجتماع گاہ حُسن و جمال سے خالی ہوتی ہے۔ کتنی آرایش و زیبایش، کتنی روشنی، اسراف میں آتی ہے اور کتنی ذوقِ جمال کا تقاضا ہے ، اس پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے، بلکہ لازماً ہو گا۔ اس پر گفتگو ہو سکتی ہے ، لیکن ان امور پر قطعی فیصلے کرنے کے لیے دو اور دو چار کی طرح اصول کبھی نہیں ملیں گے۔ بس اللہ کی خشیت، احساسِ امانت، دیانت و سلامتِ فکر ، اور قلبِ سلیم و نگاہ نگراں چاہییے۔

افغانستان سے ہزاروں مہمان آئے، عالمی تحریکاتِ اسلامی کے قائدین بھی مہمان بنے۔ افغانستان تو قریب ہے، بیرونِ ملک سے آنے والے تقریباً سارے محبوب و معزز مہمان اپنے پاس سے ہزاروں روپے خرچ کر کے چند گھنٹوں کی شرکت کے لیے طویل سفر کر کے پہنچے۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ اُس نبیؐ کے دین کے مجاہدین جس نے اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھنے والے کو اکرامِ ضیف کا حکم دیا ہے، اپنے اِن مہمانوں کی ان کے شایانِ شان میزبانی میں کوتاہی کر جاتے۔ چنانچہ میزبانی کی گئی، اور ہر زائد خرچ سے بچنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ کسی قسم کی تنگ دلی اور خِسّت کی روش اختیار نہیں کی گئی۔ اس پر کچھ خرچ ضرور اٹھا، لیکن نبیؐ کے اکرامِ ضیف کے حکم کو شمار نہ بھی کریں، تو سارے عالم میں جماعتِ اسلامی کے مقام، عزّت اور اثر و رسوخ میں جو اضافہ ہُوا، اور مادی فوائد کے بھی جو امکانات پیدا ہوئے، اُن کے مقابلہ میں یہ خرچ کچھ بھی نہیں۔

اِس اجتماع میں خواتین بھی شریک ہوئیں، اور بڑی تعداد میں شریک ہوئیں ، اتنی بڑی تعداد میں کہ پاکستان کی تاریخ میں اِس کی کوئی نظیر نہیں ملے گی۔ خواتین کے انتظام میں کچھ نقائص بھی رہے جن کی وجہ سے ان کو خاصی تکلیف اٹھانا پڑی۔ اتنی بڑی تعداد کی وجہ سے ساری مناسب

احتیاطیں ملحوظ رکھنے میں بھی بعض اوقات کمی آئی۔ کچھ لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ خواتین کے ساتھ مشترک اجتماع مناسب نہیں، اور آئندہ ایسا نہ ہونا چاہیے۔ سوچنا یہ چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ہی اِس نہج پر کی ہے کہ مرد اور عورت مل کر ہی اجتماعی ادارے بنا سکتے ہیں اور چلا سکتے ہیں۔ مسجدِ نبویؐ میں بابُ النساء اب تک موجود ہیں۔ عورتیں، سب سے پیچھے صف باندھتیں اور نماز ختم ہونے پر اپنے گھروں کو چلی جاتیں۔ عید میں عورتوں کو لانے کی تاکید خُود نبیٔ کریمؐ نے فرمائی، اور مردوں کے بعد جا کر اُن سے الگ خطاب کیا۔ آپؐ سفر پر تشریف لے جاتے تو قرعہ ڈالا جاتا اور ایک بیوی ساتھ جاتیں، غزوات میں بھی۔ جہاد پر مجاہدین کے لشکر جاتے تو عقب میں عورتوں کے خیمے ہوتے۔ کیا مدینہ منوّرہ کے معاشرے سے زیادہ مثالی کوئی اور معاشرہ ہو سکتا ہے؟ پھر جماعتِ اسلامی کا اجتماعِ عام اگر اس معاشرہ کے مماثل ہو تو اس پر اضطراب اور بے چینی کیوں ہو؟

اجتماع میں بازار بھی لگا اور وسط میں لگا۔ بازار میں چہل پہل بھی رہی، اور خرید و فروخت بھی ہوئی۔ لوگوں نے سوچا کہ ایک خالص دینی اجتماع میں اس دنیاوی کام کا کیا مقام، اقامتِ دین کے اجتماع میں بیع و شراء کیوں ہو، لیکن بازار تو زندگی کا جزوِ لاینفک ہے۔ اگر پورے دین کو قائم کرنے والوں کا اجتماع انسان کی پوری زندگی کو اپنی گرفت میں لے کر دین کے سانچہ میں ڈھالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، تو کل پورے معاشرہ اور ریاست کی رہنمائی کیسے ہوگی؟ دینی تعلیمات کو دیکھیے، حج کے سفر میں تجارت کی اجازت دی گئی۔ منیٰ کا اجتماع تو بڑا دینی اور بابرکت اجتماع ہوتا ہے۔ وہاں لوگ کیا کرتے ہیں؟ قربانیاں کرتے ہیں، کھانے پکاتے اور کھاتے ہیں، دعوتیں کرتے ہیں، ملاقاتیں کرتے ہیں، بازار لگتے ہیں تو خرید و فروخت کرتے ہیں۔ نہ تقریریں ہوتی ہیں، نہ وعظ، نہ درس۔ کیا ایک اعلیٰ دینی اجتماع کا یہ نمونہ نگاہوں میں نہیں جچتا۔

پھر، اس اجتماع میں لوگ کثرت سے آئے۔ تحریک کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے ہر درجہ کے لوگ آئے۔ دینی لحاظ سے بھی مختلف معیار کے لوگ آئے۔ بعض لوگ تقریروں کے وقت قیامگاہوں میں بیٹھے رہے، بعض بازاروں میں خرید و فروخت کرتے رہے، بعض بادشاہی مسجد اور لاہور دیکھنے بھی نکل گئے۔ بعض خیر خواہوں نے فوراً یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ یہ تو میلہ ہو گیا، اجتماع نہ رہا۔ کیا یہ بات خُود انتہائی مسرّت و اطمینان کی بات نہیں کہ یہ سب لوگ کسی اور کے ڈیرے پر جا کر نہ ٹھہرے، ہمارے ڈیروں میں رہے، کسی اور بازار نہ گئے، ہمارے بازار میں ہی رہے۔ اتنی دور سے چل کر آئے، اتنا خرچ کیا، تو ہمارے ہاں آئے، یہاں آنے کے لیے خرچ کیا۔ ہم کو تو اس پر بُرا منانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ یہی تو ہمارا گوہرِ مقصُود ہونا چاہیے کہ اِس قسم کے

لوگ ہمارے پاس آئیں، ہم سے قریب ہوں، ہماری صحبت سے اُن کی بھی اصلاح اور پاکیزگی کا راستہ کھلے، وہ بھی ہماری طرح راہِ خدا کے مجاہد بن جائیں۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گا جب تک وہ ہمارے اجتماع میں نہ آئیں گے۔ ہمارے کاموں اور پروگراموں میں شریک نہ ہوں گے۔

خراب، ناقص، ناکارہ، یا معیار سے کم لوگوں کو ہم اپنے سے دور کیوں رکھیں، ان سے ہم کو اپنے دامن پر داغ لگنے کا اندیشہ کیوں ہو؟ ذات پات پر قائم مذاہب میں گناہ گار ناپاک ہوتا ہے، اس کے چھو جانے سے دھرم ناس ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ دیکھے جانے سے کلنک کا ٹیکا لگ جاتا ہے۔ انبیاؑ اور رُسلؑ تو گناہ گاروں کو اور خطا کاروں کو اپنی آغوشِ رحمت میں سمیٹ لیتے ہیں، ہر قسم کے آدمی کو کلمہ پڑھتے ہی اپنا آدمی بنا لیتے ہیں کمزور اور معیارِ مطلوب سے کم افراد کو اپنے ساتھ لینے سے وہ کمزور نہیں ہوتے نہ اُن کا معیار گرتا ہے، بلکہ کمزور قوی ہوتے ہیں اور اُن کا معیار بلند ہوتا ہے۔ جب خدا کے نیک بندے جمع ہوتے ہیں اور اُس کو یاد کرتے ہیں، تو اللہ کی مغفرت و رحمت ایسے لوگوں کے لیے بھی واجب ہو جاتی ہے جو ذکر کے لیے نہیں، ایسے ہی راہ چلتے آکر اُن کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ ہم ایسے لوگ کیوں نہ بنیں جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آئے کہ اُن کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم اور بد بخت نہیں ہو سکتا (بخاری، مسلم)۔

انسان کو ضعیف و خطا کار بنایا گیا ہے۔ ہمارا کوئی کام خامیوں، نقائص اور کوتاہیوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔ ۲۶ سال کے بعد یہ اجتماعِ عام ہُوا اور اتنی بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوئے۔ ہر پہلو سے خامیاں رہ گئیں، ہر پہلو سے اصلاح اور بہتری کی ضرورت ہے۔ ہم خسارہ میں رہیں گے اگر ہم باریک بینی سے اپنا جائزہ نہ لیں، اپنا احتساب نہ کریں، اپنی اصلاح نہ کریں، اور خوب سے خوب تر کی جستجو جاری نہ رکھیں۔ ہر معرکہ کے بعد ہماری سوچ اور روش تو یہی ہونا چاہیے کہ "ربنا اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا"۔ پروگرام کے لحاظ سے، انتظامات کے لحاظ سے، باہمی روابط اور تعلقات کے لحاظ سے، اخراجات کے لحاظ سے، اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں، اپنے تجاوزات اور زیادتیوں کا ہمیں اعتراف ہے۔ ہم اس غفور رحیم سے ہی یہ طمع رکھتے ہیں کہ وہ ان ناقص کوششوں کو اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے گا اور اپنی رحمت سے نواز دے گا۔